© rasailojaraid.com

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

علامہ ابن جریرؒ تاریخ طبری، ماخذ و خصوصیات

روایات کے تضاد میں اعتدال کی راہ

ابو جعفر کنیت، محمد نام، والد کی نسبت سے ابن جریر کہلاتے ہیں۔ طبرستان (فارس) کے ایک گاؤں میں ۲۲۴ھ مطابق ۸۳۹ء میں پیدا ہوئے اور ۳۱۰ھ مطابق ۹۲۴ء میں بغداد میں وفات پائی۔ طبرستان کی نسبت سے طبری کہلاتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی ذہانت کے ساتھ حافظہ بھی غیر معمولی تھا۔ سات برس کی عمر میں حافظِ قرآن ہوئے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے اولاً رے اور پھر بغداد، شام اور مصر کا سفر کیا۔ یہاں انہوں نے کیسے کیسے اکابر علم و ادب سے استفادہ کیا؟ اس کا اندازہ ان شیوخ کے ناموں سے ہوتا ہے جن کا تذکرہ وہ اپنی تفسیر و تاریخ کے اسانید میں کرتے ہیں حصولِ تعلیم سے فارغ ہو کر وہ مستقلاً بغداد میں سکونت پذیر ہو گئے اور یہیں ۳۱۰ھ مطابق ۹۲۳ء میں وفات پائی ابن جریر تفسیر و تاریخ اور فقہ تینوں میں حجت تھے۔ وسعت علم کے باوصف اخلاق میں بھی نہایت مضبوط تھے۔ ان کو حق بات کہنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی تھی۔ (ظہر الاسلام ج ۲ ص ۲۰۳)

ابن جریر کی تفسیر تیس جلدوں میں اور ان کی تاریخ ۱۳ جلدوں میں ان کے غزارت علم و جلالت مقام کی شاہد عدل ہیں۔ "اختلاف الفقہا" کے نام سے ایک کتاب فقہ میں بھی لکھی تھی۔ اس معاملہ میں وہ کسی امام کے پیرو نہیں تھے بلکہ خود صاحب مذہب تھے۔ ان کی کتاب "البیان فی تفسیر القرآن" جو ۳۰ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اگرچہ تفسیر میں ہے لیکن اس میں دوسرے علوم و فنون کی سینکڑوں بحثیں جو پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ ابن جریر علوم مذکورہ بالا کے علاوہ حدیث صرف و نحو، شعر و ادب اور طب و ریاضی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ یہاں چونکہ ہم کو غرض صرف تاریخ سے ہے اسی لیے اس پر کسی قدر تفصیل سے کلام کریں گے۔

تاریخ ابن جریر کی خصوصیات ابن جریر طبری نے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ اقوام و ملل عالم کا مطالعہ وسعت و دقّت نظر سے کیا تھا۔ اس بنا پر جب انہوں نے تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کا آغاز آفرینش عالم سے کیا اور اس وقت سے لے کر اسلام کے ظہور تک انبیاء و رسل، ایرانی، رومی، یونانی اور مصری و چینی جو قومیں گذری ہیں، کسی کی مفصل اور کسی کی مختصر، حسب ذرائع و وسائل معلومات، ان کی تاریخ قلم بند کی۔ اس حیثیت سے ابن جریر پہلے مسلمان مؤرخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، جنہوں نے عرب اور ان کے قبیلوں اور خاندانوں کے علاوہ دیگر اقوام و امم عالم کی تاریخ پر بھی توجہ کی۔ اور اس کو مرتب کیا۔ اس کے بعد ظہور اسلام سے ۳۰۲ھ تک کی جو تاریخ لکھی ہے وہ سنہ وار مرتب کی گئی ہے۔ جیسا کہ طبری سے پہلے بعض دوسرے مورخین مثلاً عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، ہیثم بن عدی اور جعفر بن محمد بن الازہر المتوفی ۲۷۶ھ نے بھی کیا تھا۔

اس تاریخ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ابن جریر نے جن لوگوں سے براہ راست سماع کی یا جن لوگوں کی کتابوں سے مواد جمع کیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان میں ثقہ غیر ثقہ، معتبر نا معتبر اور جھوٹے سچے ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ ابن جریر نے جو مواد ان لوگوں سے حاصل کیا تھا تنقید اور کسی بحث و تمحیص کے بغیر ان سب کو یکجا کر دیا ہے۔ اس بنا پر یہ تاریخ اور موضوع ہر قسم کی روایات کی کھتونی اور ان کا مجموعہ بن گئی ہے[1]

ابن جریر طبری کے مآخذ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ابن جریرؒ نے ہر قسم کے لوگوں سے روایات اخذ کیں اور جس کی روایات جس موقع کے لئے موزوں اور مناسب تھیں ان کو وہاں اپنی تاریخ میں درج کر دیا۔ چنانچہ آفرینش عالم کے سلسلہ میں وہب بن منبہ سے اور ابن جریج الرومی سے نصرانیت سے متعلق کثرت سے روایات نقل کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں ابن جریر کے راویوں میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو اصلاً یہودی اور عیسائی تھے۔ جیسے عبدالرحمٰن ابن دانیل اور اسباط، کبھی سلسلہ روایت اس طرح ہوتا ہے :۔

عمرو عن اسباط عن السدی۔ کبھی ابن جریر کسی راوی کا نام نہیں لیتے بلکہ صرف ذکر العلماء باخبار الامم السالفہ من العرب والعجم کہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جہاں تک اسلام کی ابتدائی تاریخ اور سیرت نبویؐ کا تعلق ہے ابن جریر کے مآخذ یہ ہیں۔

ابو معشر نجیح عبدالرحمٰن السندی المدنی المتوفی ۱۷۰ھ۔ عروۃ بن زبیر، محمد بن المثنی۔ ابان بن عثمان ابن عفان، ابن اسحاق مطلبی متوفی ۱۵۰ھ، محمد بن عمر الواقدی م ۲۰۷ھ، ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ، علی بن محمد المدائنی م ۲۲۵ھ مذکورہ بالا ماخذ الگ الگ گفتگو کرنا ہمارے لئے دشوار بھی ہے اور غیر ضروری بھی۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کی تاریخ کے لئے ابن جریر طبری نے جو مآخذ اختیار کئے ہیں ان پر کلام کرنا از بس ضروری ہے لیکن یہ کلام آخر میں کریں گے۔

طبری اور تشیع بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن جریر طبری شیعہ تھے اس خیال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہی کے ہمنام

---

[1] تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ابن جریر طبری عظیم المرتبت محدث تھے۔ اسی لئے تاریخ بھی انہوں نے حدیث کی طرز پر لکھی ہے۔ یعنی روایات کے ساتھ انہوں نے اسانید کا التزام بھی کیا ہے اور راوی کے لئے وہی الفاظ بولتے ہیں جو محدثین کے معمول ہیں۔ مثلاً اخبرنا۔ حدثنی، ذکر وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوجعفر محمد بن علی بن مسلم الطبری (جو ۵۵۳ھ میں موجود تھے) ایک شیعہ عالم تھے انہوں نے شیعہ مذہب سے متعلق "بشارت المصطفیٰ" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی (الذریعہ الی مصنفات الشیعہ ج ۳ ص ۱۱۷) ہم نامی و ہم وطنی کے باعث بعض لوگوں نے غلطی سے اس کتاب کو ابن جریر طبری کی طرف منسوب کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن جریر طبری فارس کے تھے جو شیعیت کے لئے ایک زرخیز سرزمین تھی۔ اسی لئے ماحول کے اثر سے ممکن ہے ان کا رجحان حضرت علی اور آلِ بیت کی طرف زیادہ ہو۔ اور اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ میں حضرت علی کے نام کے ساتھ متعدد بار "علیہ السلام" لکھا ہے۔ لیکن ان کو شیعہ کہنا سراسر غلط اور نادرست ہے اس کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ بغداد میں ایک عرصہ قیام کرنے کے بعد جب وہ طبرستان آئے تو دیکھا کہ یہاں رفض کا بہت زور ہے اور صحابہ کرام کو سبّ وشتم عام ہو گیا ہے ابن جریر طبری کو اس سے سخت وحشت اور اذیت ہوئی۔ انہوں نے خلفاء اربعہ کے فضائل و مناقب میں "کتاب الفضائل" کے نام سے ایک نہایت مدلل اور مفصل کتاب لکھی۔ طبرستان کے شیعہ حلقوں میں اس کتاب نے آگ لگا دی۔ اور وہ لوگ مصنّف کی جان کے درپے ہو گئے۔ علامہ ابن جریر طبری نے یہ رنگ دیکھا تو طبرستان کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر بغداد واپس آ گئے۔

(تاریخ طبری مطبوعہ دارالمعارف قاہرہ ج ۱۔ مقدمہ محمد ابوالفضل ابراہیم)

امام مجتہد واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ شیعہ تھے اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مقلد تھے بلکہ خود مجتہد اور فقہ میں ایک خاص مکتبۂ فکر کے موجد تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک کتاب "اختلاف الفقہا" لکھی اور اس میں فقہا کے اختلاف کے وجوہ و اسباب، ان کے طریق استدلال و استنباط اور ان کے مسالک و مذاہب سے مفصل بحث کی۔ ساتھ ہی انہوں نے دو کتابیں تصنیف کیں جن میں انہوں نے خود اپنے فقہی مسلک و مذہب کی تشریح و توضیح کی۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام ہے "صریح السنہ" جو ۱۳۱۱ھ میں بمبئی سے شائع ہوئی تھی۔ دوسری کتاب کا نام ہے "لطیف القول فی احکام شرائع الاسلام"۔ (تاریخ طبری مطبوعہ دارالمعارف ج ۱ مقدمہ ابوالفضل ابراہیم)

اخلاق وعادات ایک فقیہہ، ایک عالم اور مصنف اور مورخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ حکومت کا وظیفہ خوار نہ ہو اور نہ حکومت کے کسی دفتر یا شعبہ سے ملازمت کا تعلق رکھتا ہو۔ تاکہ وہ اپنی تحریر کا استعمال و اظہار آزادی سے کر سکے۔ اس اعتبار سے بھی ابن جریر طبری کا مقام بہت اونچا ہے۔ ان کے سوانح نگاروں کا بیان ہے۔ کہ طبری کے والد بڑے آسودہ، خوش حال اور صاحب املاک و جائیداد تھے۔ جب ابن جریر طبری بارہ برس کی عمر میں حصول علم کی غرض سے وطن سے روانہ ہوئے تو وہ جہاں کہیں بھی رہے ان کے والد ان کے امیرانہ اخراجات کے متکفل رہے۔ اور وہ طالب علمی کے بعد کسی ریاست یا حکومت کی سرپرستی کے شرمندۂ احسان نہیں ہوئے۔

خاقانی جو ابن جریر طبری کا بڑا مدّاح اور قدردان تھا۔ اس نے اپنی وزارت عظمیٰ کے زمانہ میں بہت کوشش کی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صوف قضایا کوئی اور بڑے سے بڑا عہدہ قبول کر لیں لیکن وہ رضامند نہیں ہوئے اور ہمیشہ دربار شاہی اور امراء و
راء کے قرب سے دور رہے۔ اس بنا پر ان میں خودداری، عزتِ نفس اور آزاد طبعی کے اوصاف بدرجہ کامل پائے جاتے
تھے، اور ہر معاملہ میں وہ اپنی رائے کا اظہار بر ملا کرتے تھے۔ ان وجوہ سے اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ علامہ ابن
یر طبری کا جو مرتبہ و مقام تفسیر، حدیث اور فقہ و علم قرأت میں ہے ان کا وہی مرتبہ و مقام بحیثیت ایک جلیل القدر
رخ کے بھی ہے۔ چنانچہ جس طرح ان کی تفسیر کا شمار امہاتِ کتب تفسیر میں ہے[1] اسی طرح تاریخ ان کی نہایت ضخیم تاریخ
لام کا نہایت اہم مآخذ ہے۔ امام ابو حنیفہ رح کی نسبت امام شافعیؒ کا مشہور قول ہے۔

الفقہاء کلھم عیال علی ابی حنیفۃ (تمام فقہاء ابو حنیفہؒ پر بھروسہ کرتے ہیں) تاریخ میں یہی حیثیت ابن جریر
ری کی ہے۔ چنانچہ ان کے بعد جتنے مورخین پیدا ہوئے انہوں نے ان پر اعتماد کیا۔ اور ان کی تاریخ کو اپنے لئے بطور مآخذ
استعمال کیا ہے۔ یہاں تک کہ ابن اثیر جو خود ایک بلند مرتبہ مورخ ہیں ان کی تاریخ تو ایک بڑی حد تک تاریخ ابن
یر ہی کا ایک چربہ ہے چنانچہ مقدمہ کتاب میں وہ خود لکھتے ہیں:۔

"میں نے اپنی تاریخ کا آغاز اس عظیم الشان تاریخ سے کیا ہے جس کو امام ابو جعفر الطبری نے تصنیف کیا ہے، کیونکہ وہ ایک ایسی کتاب ہے جس پر سب نے اعتماد کیا ہے"

اس کے بعد کہتے ہیں:۔

"میں نے ابو جعفر الطبری کے تمام تراجم (حالات و واقعات) کو لے لیا ہے۔ اور ان میں کہیں بھی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی"

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"ابن اثیر خود جلیل القدر مورخ تھے ان کا طبری پر یہ اعتماد اس بات کی دلیل ہے کہ تاریخ ابن جریر طبری کا بعد کے مورخین پر کس درجہ عمیق اثر تھا"[2]

تاریخ طبری کا نقص لیکن تاریخ طبری کی اس اہمیت و عظمت کے باوجود یہ یاد رکھنا چاہیے کہ طبری نے اپنی تاریخ
یں تنقید و تنقیح کے بغیر وہ تمام روایات یکجا کر دی ہیں جو ان کو پہلی اور دوسری صدی کے مؤرخین کی کتابوں میں (جو
اب معدوم ہیں اور ہم تک نہیں پہنچیں) دستیاب ہوئیں یا جن کو انہوں نے اپنے ہمعصر راویوں سے سنا[3]

---

[1] محمد ابو الفضل ابراہیم نے تاریخ طبری جلد اول کے اپنے مقدمہ میں علامہ ابن جریر طبری کی ۲۶ کتابوں کی نشان دہی کی ہے [2] الذکری الالفیہ للشیخ الطوسی طبع ایران ص۱۱۱ [3] تاریخ طبری کے مآخذ پر "موارد تاریخ الطبری" کے زیر عنوان ڈاکٹر جواد علی نے ایک مقالہ لکھا ہے جو "المجمع العلمی العراقی" کی جلد سوم میں شائع ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ظاہر ہے کہ طبری کے یہ سب مآخذ یکساں نہیں تھے۔ بلکہ مختلف امیال وعواطف اور رجحانات کے لوگ تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو تاریخ کے مدنی اسکول سے تعلق رکھتے تھے اور وہ بھی تھے جن کا تعلق کوفہ و بصرہ سے (جو حضرت عثمانؓ کی مخالفت کا مرکز تھی۔ یا ایران سے تھا جہاں شیعیت کا زیادہ زور تھا۔ پھر ان راویوں میں وہ بھی تھے جن کو علمار اسمار الرجال نے ثقہ اور معتبر تسلیم کیا ہے اور وہ بھی تھے جن کی روایات کو موضوع اور ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل تفصیل سے ہوگا۔ اس میں ہم صرف ان راویوں کا ذکر کریں گے جن کو طبری نے خلافت عثمانی کے تذکرہ میں بطور اپنے مآخذ کے استعمال کیا ہے۔

واقدی ان میں ایک اہم ماخذ محمد بن عمر الواقدی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ بحیثیت محدث کے ان کا مرتبہ و مقام خواہ کچھ ہی ہو ایک نہایت وسیع المعلومات اور بلند مرتبہ مورخ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ مامون الرشید کے عہد میں یہ قاضی بھی تھے۔ تاہم کبر سن، عوارض و اسقام اور بعض حوادث کے باعث واقدی میں سوء حفظ، نسیان اور عدم تثبت کے جو امراض پیدا ہو گئے تھے، حدیث کی طرح ان کی تاریخ بھی اس سے غیر متاثر نہیں رہ سکتی تھی۔

ابن سعد دوسرا ماخذ محمد بن سعد (۱۶۸ھ تا ۲۳۰ھ) اپنے شیخ محمد بن عمر الواقدی کی طرح انہوں نے بھی تحصیل علم اولاً مدینہ اور پھر بغداد میں کی۔ واقدی کے شاگرد بھی تھے اور کاتب بھی۔ محدثین نے ان کی مدح کی ہے خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

> "محمد بن سعد ہم لوگوں کے نزدیک ارباب عدالت میں سے ہیں۔ اور ان کی روایات ان کے صدق پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ روایت میں چھان بین بہت کرتے ہیں۔" (تاریخ بغداد ج۵ ص۳۲۱)

علی بن محمد المدائنی تیسرا ماخذ علی بن محمد المدائنی ہیں۔ ان کی پیدائش بصرہ میں ۱۳۵ھ میں ہوئی۔ مدائن میں جا بسے تھے اسی لئے مدائنی کہلاتے ہیں۔ ۲۲۵ھ میں وفات ہوئی۔ نہایت فاضل اور کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان کی کوئی کتاب اب دستیاب نہیں۔ لیکن طبری۔ بلاذری۔ ابن عبد ربہ اور ابوالعباس المبرد۔ ابوالفرج اصفہانی اور مسعودی وغیرہم نے ان کتابوں سے استفادہ کیا تھا۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

> "مدائنی امام الناس، اخبار و انساب عرب، فتوح و مغازی اور شعر و ادب کے بڑے عالم اور ان کی روایات کرنے میں سچے تھے۔" (تاریخ بغداد ج۵ ص۳۲۱)

محدثین ان پر طعن نہیں کرتے۔ یحییٰ بن معین جو مشہور ناقد حدیث ہیں مدائنی کو ثقہ تسلیم کرتے ہیں۔ (تاریخ بغداد ج۱۲ ص۵۵)

ابو مخنف لوط بن یحییٰ طبری کے ایک اہم مآخذ یہ بھی ہیں۔ ان کے دادا جن کا نام مخنف تھا۔ صحابی اور اصحاب حضرت علیؓ میں سے تھے۔ اس بنا پر صاحب الفہرست ندیم کے قول کے مطابق پوتے میں بھی تشیع تھا۔ صاحب القاموس کی رائے ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ داستان گو (اخباری) اور شیعی المسلک تھے۔ ان کی روایات متروک تھیں۔ محدثین نے بھی ان کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے ان کا بیان ہے کہ ابومخنف مجہول و نامعلوم افراد سے روایات نقل کرتے تھے۔ ۱۵۷ھ میں انتقال کیا۔

(ضحی الاسلام احمد امین ج ۲ ص ۳۴۴)

ان وجوہ کے باعث جیساکہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ اگرچہ ابومخنف کثیر التصانیف والرسائل تھے ان کی روایات قبول کرنے میں ارباب علم وبصیرت بہت محتاط رہے ہیں۔ احمد امین لکھتے ہیں:۔

"طبری نے ابومخنف کی جو روایات نقل کی ہیں۔ قاری کو چاہئے کہ وہ روایات طبری سے الگ کرلے اور پھر دیکھے کہ ان سے کیا نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔

چنانچہ مشہور جرمن مستشرق ولہازن (J. WELLHANSON) جس نے اپنی کتاب "عرب سلطنت اور اس کا سقوط" (THE ARAB KINGDOM AND ITS FALL) میں ابومخنف سے روایات نقل کی ہیں لیکن ساتھ ساتھ اس پر جرح اور تنقید بھی کرتے گئے ہیں۔ ولہازن کی کتاب جرمنی سے انگریزی میں منتقل ہوئی۔ اور اس کا عربی ترجمہ براہِ راست جرمنی زبان سے، ڈاکٹر یوسف العش نے "سقوط الدولۃ العربیۃ" کے نام سے کیا۔ فاضل مترجم بھی موقع بموقع حواشی میں ولہازن کے بعض بیانات پر کلام کرتے گئے ہیں۔

سیف بن عمر | طبری کے ایک نہایت اہم مآخذ سیف عمر الکوفی الاسدی التیمی المتوفی ۱۸۰ھ ہیں۔ ڈاکٹر جواد علی کے بیان کے مطابق تاریخ طبری میں سیف جن کا نام ۳۰۰ مرتبہ سے بھی زیادہ آیا ہے۔ سیف بن عمر نے عہدِ صدیقی میں فتنۂ ارتداد، فتوح ومغازی اور حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کی خلافت کے واقعات اور جنگ جمل وصفین پر متعدد رسالے لکھے تھے جو ہم تک نہیں پہنچے۔ طبری نے ان سے استفادہ کیا ہے لیکن سیف ابن عمر کا شیخ جابر الجعفی الکوفی تھا جو ایک شیعہ عالم تھا اور خود سیف کا تعلق قبیلہ تمیم سے تھا۔ اس لئے سیف بن عمر کی روایت میں شیعیت اور قبیلہ تمیم کے لئے شدید عصبیت پائی جاتی ہے۔ اس بنا پر محدثین اور ارباب تحقیق نے سیف بن عمر کی روایات کو مجروح اور ضعیف ہی نہیں بلکہ من گھڑت قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:۔ کہ محدثین سیف بن عمر کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ وہ حدیث وضع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے ان کو زندقہ سے منسوب کیا ہے[1]

مستشرقین میں ولہازن۔ کائتانی اور بروکلمن کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ اگرچہ سیف بن عمر کی روایات نہایت مفصل اور مرتب ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں صحت کا وہ اہتمام نہیں ہوتا جو دوسروں کے ہاں ہوتا ہے اور اس میں عصبیت بھی پائی جاتی ہے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں اس میں دقتِ نظر بھی ہے۔[1]

السری پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ طبری اور سیف بن عمر کی جو روایات نقل کرتے ہیں اکثر و بیشتر السری سے بواسطہ شعیب نقل کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کبھی وہ کتب الی السری کہتے ہیں۔ کبھی ذکر عن السری اور کبھی عن شعیب کہتے ہیں۔ یہ السری اور شعیب کون ہیں؟ السری کے والد کا نام یحییٰ تھا اور طبری کے شیخ تھے۔ رہے شعیب، تو حافظ ابن حجر ان کے متعلق کہتے ہیں:-

"یہ شخص معروف نہیں مجہول ہے۔ یہ بہت سی روایات اور اخبار کا راوی ہے۔ لیکن ان میں نکارت پائی جاتی ہے۔ اس کا پورا نام شعیب بن ابراہیم الکوفی ہے"۔ ڈاکٹر جواد علی اس قدر لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:-

ہم کو اس بات کا افسوس ہے کہ اگرچہ السری بن یحییٰ اور شعیب بن ابراہیم الکوفی، راویہ سیف بن عمر کے نام طبری میں بڑی کثرت اور افراط سے آئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم ان سے واقف نہیں ہیں۔[2]

اس سے اندازہ ہوگا کہ جب صورت حال یہ ہے۔ جو اوپر مذکور ہوئی تو پھر سیف ابن عمر کی روایات جو طبری میں منقول ہیں صحت اور استناد کے اعتبار سے وہ کس پایہ اور مرتبہ کی ہوں گی؟

عمر بن شبہ طبری کے مآخذ عمر بن شبہ بن عبیدہ بن ربطہ ابو زید البصری متوفی ۲۶۲ھ ہیں۔ یہ اپنے عہد کے مشہور مورخ ہیں۔ انہوں نے حدیث کا سماع ابن مہدی طیالسی اور قطان سے کیا تھا۔ ادب اور تاریخ میں ان کے شیخ اصمعی تھے علی بن محمد المدائنی سے بھی تاریخ میں اکتساب فیض کیا تھا۔ ندیم نے ان کی تصنیفات کی تعداد ۲۰ بتائی ہے۔ جن لوگوں نے ان سے روایات لی ہیں ان میں مشہور محدث ابن ماجہ، احمد بن یحییٰ الثعلب النحوی۔ احمد بن یحییٰ البلاذری اور ابن ابی الدنیا ابوبکر عبداللہ بن محمد شامل ہیں۔ طبری نے عمر بن شبہ کی تمام کتب پڑھی تھیں۔ اور ان سے روایات سنی بھی تھیں طبری میں سو مرتبہ ان کا نام آیا ہے۔ (مجلۃ المجمع العلمی العراقی ج ۳ جلد اول ۲۳ تا ۴۲۱)

روایات میں تضاد خلافت عثمانی سے متعلق طبری کے مآخذ چند اور افراد بھی ہیں۔ لیکن وہ چنداں اہم نہیں ہیں، ہم نے اوپر جن مآخذ کا ذکر کیا ہے۔ ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ طبری نے روایات کے اخذ و نقل کرنے میں کسی ایک مکتبۂ خیال کی پیروی نہیں کی۔ بلکہ ان کو کسی بھی قسم کی جو روایت کسی سے ملی ہے اس کو تحقیق و تنقید کے بغیر اپنی "تاریخ" میں درج کر دیا ہے۔ کیونکہ قدما کی کتابیں ناپید ہوتی جاتی تھیں اور توقع نہیں تھی کہ آئندہ نسلیں ان سے بہرہ یاب ہو سکیں گی۔ اس بنا پر کوئی شبہ نہیں امام ابو جعفر طبری کا یہ کارنامہ نہایت عظیم الشان ہے۔ اور وہ اس پر عالم اسلام کے شکریہ کے بجا طور پر مستحق ہیں لیکن تاریخ کی اس جامعیت و ہمہ گیری کا ایک افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ تاریخ طبری ہر قسم کی صحیح اور موضوع۔ مستند اور غیر مستند۔ قوی اور ضعیف روایات کا سنگم ہو گئی اور اس میں ایسی روایات جمع ہو گئیں۔ جن کی

---

[1] المجمع العلمی العراقی ج ۳ ص ۴۹ [2] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تردید و تغلیط خود طبری کی دوسری روایات یا بعض دوسرے معتبر مورخین کے بیانات سے ہوتی ہے۔ ہم ذیل میں اس کی چند مثالیں نقل کرتے ہیں۔

روایات میں تضاد کی چند مثالیں ۱۔ ایک روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے سوال کے جواب میں جب حضرت عثمان رض نے اتباع سیرت نبویؐ و سیرت شیخین کا حتمی وعدہ کر لیا تو خود حضرت علی رض نے عبدالرحمٰن بن عوف رض سے کہا "لبس اب جب کہ عثمان اس کا وعدہ کرتے ہیں تو پھر دیر کیا ہے؟ بسم اللہ کیجئے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف نے بیعت خلافت کی۔ اور آپ کے بعد فوراً حضرت علی نے بیعت کی۔

لیکن اس کے بالمقابل دوسری روایت یہ ہے کہ:-

"جب عبدالرحمٰن بن عوف رض نے حضرت عثمان رض کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو حضرت علی رض نے بیعت نہیں کی اور ناراض ہو کر جانے لگے۔ اس پر اہل شوریٰ نے ان کو پکڑ لیا اور دھمکی دی کہ فوراً بیعت کیجئے ورنہ ہم سختی سے پیش آئیں گے۔ اس پر حضرت علی رض نے بیعت کی۔"

یہ دونوں روایتیں طبری میں ہیں۔ اور انساب الاشراف بلاذری ج ۵ ص ۲۲ میں بھی ہے۔ انساب الاشراف میں مذکورہ بالا روایت کے فوراً بعد ایک روایت عبداللہ بن عباس کی یہ بھی ہے کہ:-

اِنّ علیاً اوّل مَنْ بَایع عُثمان مِنْ اَصْحَابِ الشُّوریٰ بَعْد عبد الرحمٰن بن عَوْف ولم یتلعثم	یعنی علی ہی پہلے ممبر شوریٰ تھے جنہوں نے عثمان سے عبدالرحمٰن بن عوف کے بعد بیعت کی اور اس میں ذرا نہیں ہچکچائے۔

ان دونوں روایتوں میں چونکہ باہم تناقض ہے اس لئے یقیناً ایک روایت صادق ہوگی اور دوسری کاذب۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ جس روایت میں عبدالرحمٰن بن عوف کے بعد فوراً بے چون و چرا بیعت کر لینے کا ذکر ہے وہ صحیح ہے کیونکہ دوسری روایت حضرت علی کی شان اور مرتبہ سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی[۱]

۲۔ اسی طرح طبری نے سیف بن عمر کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ:

"حضرت عثمان رض نے سعد بن ابی وقاص رض کو کوفہ کی گورنری سے جو معزول کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ موخرالذکر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے جو خزانچی تھے۔ بیت المال سے ایک رقم بطور قرض لی تھی۔ لیکن جب عبداللہ بن مسعود نے رقم کی واپسی کا تقاضا کیا تو سعد رض نے کچھ مہلت طلب کی۔ عبداللہ بن مسعود اس پر راضی نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جھگڑا بڑھا اور نوبت سخت کلامی اور سب و شتم تک پہنچی۔ پبلک میں کچھ لوگ ادھر ہو گئے اور کچھ اُدھر۔ صورت فساد کی ہو گئی

---

[۱] تذکرۂ عثمان ص ۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عثمان رض کو اطلاع ہوئی تو آپ نے عبداللہ بن مسعود رض سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ لیکن سعد بن وقاص کو گورنری سے معزول کردیا۔"

طبری کے تتبع میں ابن اثیر نے الکامل میں اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں بھی معزولی کا یہی سبب لکھا ہے لیکن حق یہ ہے کہ سیف بن عمر کا یہ بیان درست نہیں ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت سعد بن وقاص رض خود صاحب دولت و ثروت تھے اور اس وقت گورنر بھی تھے اس بنا پر اولاً تو ان کو بیت المال سے قرض لینے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اور اگر انہوں نے قرض لیا بھی تھا تو مقررہ وقت پر قرض کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی تھی؟

۲۔ پھر سعد بن وقاص کا مزید مہلت طلب کرنا اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا اس پر رضامند نہ ہونا اور نتیجۃً دونوں میں سب وشتم جس کا ذکر روایت میں ہے یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ حضرت سعد بن وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود ایسے اکابر صحابہ کی شان سے فروتر اور مستبعد ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بھی انہیں وجوہ کے باعث اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ (تذکرۃ عثمان ص ۱۴۴)

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوفہ کی گورنری سے معزولی کا سبب یہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ جیسا کہ بلاذری نے فتوح البلدان کے باب تمصیر الکوفہ میں لکھا ہے کہ کوفہ کے لوگ عجیب وغریب فطرت کے انسان تھے۔ عہد فاروقی میں بھی ان کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی گورنر مقرر ہو کے آتا تھا تو ابتدا میں اس سے یہ خوش رہتے تھے اور کچھ مدت گذرنے کے بعد ان کے خلاف اس کثرت سے شکایت دربار خلافت میں پہنچانی شروع کردیتے تھے کہ حضرت عمر رض بھی گورنر کو معزول کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رض کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ ان کو حضرت عمر رض نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ ابھی ان کو یہاں آئے ہوئے ایک برس چند ماہ ہوئے تھے کہ اہل کوفہ نے ان کی نہایت لغو اور بے ہودہ شکایات پہنچانی شروع کردیں۔ حضرت عمر رض نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ سب شکایات بے سروپا اور بے بنیاد ہیں۔ تاہم انتظامی مصلحت سے حضرت سعد بن ابی وقاص رض معزول کر دئے گئے۔ اس وقت انہوں نے اہل کوفہ کے حق میں بددعا کی اور زبان سے بے ساختہ نکلا۔

اللّٰھم لا ترضِ عنھم امیراً ولا ترضھم بامیر — اے اللہ! ایسا کر کہ نہ کوئی گورنر اہل کوفہ سے خوش رہے اور نہ یہ کسی گورنر سے مطمئن رہیں

حضرت عمر رض نے حضرت سعد بن ابی وقاص رض کو محض انتظامی مصلحت سے معزول کیا تھا۔ ورنہ ان پر کسی قسم کا الزام نہیں تھا۔ اسی بنا پر آپ نے اپنے جانشین کو حضرت سعد رض کی گورنری کی وصیت کی تھی۔ اس وصیت کا ہی پاس و لحاظ تھا کہ حضرت عثمان رض نے حضرت سعد کو پھر دوبارہ کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ کوفہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لوگ آخر وہی تو تھے جنہوں نے غلط سلط شکایات کا طومار باندھ کر عمرؓ فاروق ایسے خلیفہ کو حضرت سعدؓ کے عزل پر مجبور کر دیا تھا۔ اب حضرت عثمانؓ کے عہد میں وہ ان کو کس طرح گوارا کر سکتے تھے؟ اس بناء پر ہمارا قیاس ہے کہ اہل کوفہ نے اس مرتبہ پھر حضرت سعد کی شکایات پہنچانی شروع کر دی ہوں گی۔ اور خلیفۂ دوم کی طرح خلیفۂ سوم نے بھی محض انتظامی مصلحت سے ان کو معزول کیا ہوگا۔

اس قیاس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ بلاذری نے عہد فاروقی میں حضرت سعد کی گورنری سے معزولی کی داستان تو بڑی تفصیل سے لکھی ہے۔ لیکن عہد عثمانی کے سلسلہ میں صرف اتنا مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے سعد بن ابی وقاصؓ کو گورنر بنایا۔ اور ایک زمانہ بعد انہیں معزول کر دیا، کیوں؟ اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ عزل عمال وامراء کے بارے میں حضرت عثمان کی پالیسی کیا تھی؟ اس کے متعلق خود طبری کا بیان ہے۔

كَانَ لَا يَعْزِلُ اَحَدًا اِلَّا عَنْ شَكَاةٍ اَوِ اسْتِعْفَاءٍ مِنْ غَيْرِ شَكَاةٍ۔	حضرت عثمان کسی عہدہ دار کو اسی وقت معزول کرتے تھے جب کہ اس کے خلاف شکایت ہوتی تھی، یا شکایت کے بغیر وہ خود مستعفی ہو جاتا تھا۔

اس سے بھی معلوم یہی ہوتا ہے کہ اہل کوفہ نے حسب عادت حضرت سعدؓ کی شکایات کی ہوں گی اور اس بنا پر حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کیا ہوگا۔

طبری نے ایک روایت لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ بھی حضرت عثمانؓ سے ناخوش اور ان کے خلاف باغیوں سے سازباز کئے ہوئے تھے اور انہوں نے باغیوں کو خطوط لکھ کر مدینہ پر چڑھائی کی دعوت دی تھی۔

ابن کثیر نے مفصل بحث کر کے اس افسانہ کی پر زور تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ باغیوں نے خود صحابہ کرام کے نام سے جعلی خطوط لکھ کر اطراف واکناف ملک میں روانہ کئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج، ص ۱۷۵)

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے متعلق روایات کس درجہ گوناگوں رطب و یابس کا مجموعہ ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اگرچہ طبری کا مطمح نظر جمع اقوال و روایات تھا۔ لیکن اس کے باوجود بہت سی روایات اس درجہ شنیع اور ناقابل ذکر و بیان تھیں۔ کہ خود ابن جریر طبری بھی ان کو نقل کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"مدینہ پر مصریوں کی چڑھائی کے اسباب کے بارے میں واقدی نے بہت کچھ کہا ہے۔ ہم نے ان میں سے بعض چیزیں بیان کی ہیں۔ لیکن بعض چیزیں نظر انداز بھی کر دی ہیں۔ کیونکہ اپنی شناعت و قباحت کے باعث وہ ناگفتہ بہ تھیں۔"

(البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۳۵۶) (باقی ص ۴۶ پر)

© rasailojaraid.com